فہمِ حدیث میں علامہ غلام رسول سعیدیؒ کے امتیازات (نعمۃ الباری کا اختصاصی مطالعہ)

Distinctions of Ghulam Rasool Saedi in Ḥadith Comprehention

(Specific Study of Nimat-al-Bari)

Hafiz Muhammad Imtiaz
PhD Scholar, Department of Islamic Studies, Gift University, Gujranwala;hafizimtiaz019@gmail.com
Muhammad Akram Virk
Associate Prof. Department of Islamic Studies, Gift University, Gujranwala;drmakramvirk@yahoo.com

Abstract:
Ghulam Rasool Saeedi (d 2016) was a great religious scholar. He has written Nimat-al-Bari; an explanation of Ṣaḥiḥ Bukhari which contains 16 volumes. He analysed the works of explanator of Ḥadith like Ḥafiz Ibn-e-Ḥajer (d852AH), Allama Aine (d855AH), Ibn-e-Bataal (d449AH), Ibn-e-Mulaqqan etc, and appreciates them too. His style of writing is quite simple. He also explains different Ḥadiths in their context, record and relevance to the topic. This article focused the distinctions of Ghulam Rasool Saedi in comprehending the ḥadith. Examples have been taken from his book to discuss the matter under discussion. It has been concluded that Ghulam Rasool Saedi has made some of the points more clear than the other explanators. He has never showed arrogance replying the question by the opponents. He also differed with the earlier writers of the matter with due respect. He pointed out the relevancy of ḥadith to the chapter of Ṣaḥiḥ Bukhari about research on faith, infallibility of the prophets, companions. Allama Saeedi has also discussed the marriages of the Prophet, traditions of Sira, jurisprudential matters that are distinctions of his expertise.

Key Words: Islam, Ḥadith, Ṣaḥiḥ Bukhari, Explanation, Nimat-al-Bari, Ghulam Rasool Saeedi.

علامہ غلام رسول سعیدیؒ دورِ حاضر کے بہت بڑے عالمِ دین تھے، انہوں نے دینِ اسلام کی اشاعت کے لیے بہت کام کیا، انہوں نے اپنے علم وفضل اور تحریر و تقریر کے ذریعے لوگوں کی اصلاح کی، دینِ اسلام کے لیے ان کی بہت سی خدمات ہیں۔ وہ محدث، فقیہ، مدرّس اور مفسر ہونے کے ساتھ ساتھ عظیم مصنّف بھی تھے۔ انہوں نے تحریر و تصنیف میں گراں قدر خدمات سرانجام دیں۔ آپ کی علمی و تحقیقی تصانیف امتِ مسلمہ کے لیے چراغِ راہ کی حیثیت رکھتی ہیں۔ آپ کی چند تصانیف درج ذیل ہیں۔ ''تفسیر تبیان القرآن'' مجلدات:12، ''نعمۃ الباری فی شرح صحیح البخاری'' مجلدات:16، '' شرح صحیح مسلم'' مجلدات:7، ''تذکرۃ المحدثین'' اور ''مقامِ ولایت و نبوت'' کے علاوہ بھی آپ کی کئی تصانیف ہیں۔ ''شرح صحیح بخاری'' کی پہلی سات جلدیں فرید بک سٹال لاہور کی شائع کردہ ہیں ان کا نام ''نعمۃ الباری فی شرح صحیح البخاری'' ہے جبکہ بقیہ نو جلدیں ''نعم الباری فی شرح صحیح البخاری'' کے نام سے ضیاء القرآن پبلیکیشنز کراچی کی شائع کردہ ہیں۔ زیرِ نظر تحقیقی مضمون میں ہمارے پیشِ نظر صحیح بخاری کی یہی سولہ جلدیں ہیں۔

علامہ سعیدیؒ کی تحقیقی آراء میں بہت ساری توضیحات ان کے امتیازات میں شمار کرنے کے لائق ہیں۔ صحیح بخاری کی مختلف روایات کی تعبیر میں علامہ سعیدیؒ نے بجا طور پر یہ دعویٰ کیا ہے کہ وہ ان تعبیرات اور تشریحات میں دیگر شارحینِ حدیث سے منفرد ہیں، اس مختصر مقالہ میں علامہ سعیدیؒ کے اس دعویٰ کی تحقیق کی گئی ہے کہ یہ کہاں تک درست ہے۔

علمی اور فکری مسائل میں اختلاف ایک فطری عمل ہے، اور یہ ہر دور کے علماء کا معمول رہا ہے کہ وہ ایک دوسرے کی رائے کا احترام کرتے ہیں اور دلیل کی بنیاد پر اختلاف کا اظہار بھی کرتے ہیں۔ صحیح بخاری کی زیر نظر شرح میں واضح طور پر دیکھا جا سکتا ہے کہ کئی امور میں علامہ سعیدی دیگر شارحین کی رائے کو قبول کرتے ہیں اور دلائل سے ان کا رد بھی کرتے ہیں۔ ''نعمۃ الباری فی شرح صحیح البخاری'' میں علامہ سعیدی نے حافظ ابنِ حجرؒ (م852ھ)، علامہ بدرالدین عینیؒ (م855ھ)، ابنِ بطالؒ (م449ھ) سے کئی مقامات پر اختلاف کیا ہے۔ بخاری کی زیر نظر شرح میں علامہ سعیدیؒ متعارض احادیث میں تطبیق، حدیث کی باب سے مناسبت ذکر کرتے ہیں۔ لغوی، شرعی معنی کی وضاحت، مختلف شروح سے احادیث کی وضاحت کے ساتھ ساتھ حدیث کی مکمل تفصیل فراہم کرتے ہیں، جن قرآنی آیات کا کوئی حصہ ذکر ہوا ہے ان کی تکمیل کرتے ہیں۔ احادیث کی تخریج کے ساتھ شارحین حدیث کے درمیان محاکمات بیان کرتے ہوئے مذہبِ حنفی کو ترجیح دیتے ہیں۔ صحیح بخاری میں مختلف مباحث پر گفتگو کرتے ہوئے علامہ سعیدیؒ نے جو منفرد آراء قائم کی ہیں، ذیل کی سطور میں ان میں سے چند کا تذکرہ کیا گیا ہے اور ان پر بحث کی گئی ہے۔

1۔حدیث کی باب سے مناسبت

امام بخاریؒ کا یہ طریقہ ہے کہ وہ جو بھی روایت باب کے تحت لاتے ہیں اس کی باب سے مناسبت بیان کرتے ہیں، جس کا سمجھنا بعض اوقات انتہائی مشکل ہوتا ہے۔اکثر شارحین کی توجہ اس طرف نہیں جاتی اور بظاہر کوئی مناسبت نظر بھی نہیں آتی، لیکن بہر حال باب کے ساتھ مناسبت ضرور ہوتی ہے۔وہ انہی کو سمجھ آتی ہے جو بڑی توجہ اور انہماک سے روایات کو دیکھتے ہیں اور باب کے عنوان پر غور و فکر کرتے ہیں۔

(i)۔بخاری شریف کتاب المظالم میں مذکور حدیث 2455 میں دو کھجوریں ملا کر کھانے سے منع فرمایا گیا ہے۔اور اگر کوئی کھانا چاہے تو اس کو چاہیے کہ اپنے ساتھ کھانے والے بھائی سے اجازت لے، پھر کھائے۔کیونکہ اس سے دوسروں کی حق تلفی ہوتی ہے۔اسی طرح اسی باب کی حدیث 2456 میں بیان کیا گیا ہے کہ کوئی شخص بغیر دعوت دیئے کسی کا مہمان نہ بنے وجہ یہ ہے کہ ہو سکتا ہے کہ میزبان نے چند لوگوں کا اہتمام کیا ہو تو جو بغیر مدعو کئے آئے گا ہو سکتا ہے اس کی وجہ سے میزبان کا کھانا کم پڑ جائے تو اس کو شرمساری ہو۔بہر حال ان دو احادیث کی باب کے ساتھ جو مناسبت علامہ سعیدیؒ نے بیان کی ہے کسی اور شارح نے اس پر قلم نہیں اٹھایا۔علامہ سعیدیؒ لکھتے ہیں کہ ظلم کا معنیٰ ہے کسی چیز کو اس کے محل کے غیر میں رکھنا تو دو کھجوروں کو ملا کر کھانا کسی چیز کو اس کے محل کے غیر میں رکھنا ہے۔باب کا عنوان ہے ''کتاب المظالم'' لہذا مناسبت تو قائم ہو گئی۔

کیونکہ دوسری روایت میں ہے جو شخص بن بلائے کسی کی دعوت میں چلا جائے یہ بھی خود کو غیر محل میں رکھ رہا ہے تو خود کو غیر محل میں رکھنا بھی ظلم ہے۔رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس کو دعوت دی گئی اس نے وہ دعوت قبول نہیں کی تو اس نے اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی نافرمانی کی، اور جو شخص بغیر دعوت کے کسی کے گھر چلا گیا تو وہ چور بن کر داخل ہوا اور لٹیرا بن کر نکلا۔[1] اس وجہ سے باب سے مناسبت تو قائم ہے ان دونوں حدیثوں کی مناسبت کتاب المظالم

1: سجستانی، سلیمان بن اشعث بن اسحاق الازدی (م 275ھ)، ''سنن ابوداؤد''، کتاب الاطعمہ، باب ماجاء فی اجابۃ الدّعوۃ، رقم الحدیث: 3741، (دارالسلام للنشر والتوزیع، الریاض، 1999ء)، مجلدات: 4

کے ساتھ صرف نعمۃ الباری کی خصوصیت ہے۔[2] اس پر علامہ سعیدیؒ اللہ کا شکر ادا کرتے ہیں کہ جس کی توفیقِ خاص سے یہ بات ان پر منکشف ہوئی۔

(ii)۔امام بخاری جو احادیث جس باب کے تحت لاتے ہیں اس حدیث کی باب کے ساتھ مناسبت قائم کرنا ہر کسی کے بس کی بات نہیں ہے۔ اکثر اوقات بظاہر حدیث کی باب کے ساتھ کوئی مناسبت نظر نہیں آتی، لیکن باب کے ساتھ مناسبت ضرور ہوتی ہے اگرچہ مفہوم کے اعتبار سے ہو کسی جملے یا کسی لفظ کے اعتبار سے ہو۔ صحیح بخاری کی روایت ہے: عَنْ عَائِشَةَ،أَنَّ أَبَابَكْرٍ،دَخَلَ عَلَيْهَاوَالنَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عِنْدَهَايَوْمَ فِطْرٍأَوْأَضْحًى، وَعِنْدَهَاقَيْنَتَانِ تُغَنِّيَانِ بِمَاتَقَاذَفَتْ الأَنْصَارُيَوْمَ بُعَاثٍ، فَقَالَ أَبُوبَكْرٍ: مِزْمَارُالشَّيْطَانِ؟مَرَّتَيْنِ،فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: دَعْهُمَايَاأَبَابَكْرٍ،إِنَّ لِكُلِّ قَوْمٍ عِيدًا،وَإِنَّ عِيدَنَاهَذَاالْيَوْمُ[3] ترجمہ: حضرت عائشہ بیان کرتی ہیں کہ حضرت ابو بکر ان کے پاس آئے اور اس دن اس کے پاس نبی ﷺ تھے، وہ عید الفطر یا عید الاضحیٰ کا دن تھا اور ان کے پاس دو لڑکیاں تھیں، وہ گیت گا رہی تھیں جس میں انصار کی یومِ بعاث کی جنگ کا ذکر تھا تو حضرت ابو بکر نے دو مرتبہ کہا: یہ مزمار الشیطان ہے، تب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اے ابو بکر! ان کو رہنے دو! ہر قوم کی ایک عید ہوتی ہے اور آج کے دن ہماری عید ہے۔

اس حدیث کے متعلق علامہ عینیؒ لکھتے ہیں کہ امام بخاریؒ پر اعتراض کیا جاتا ہے کہ وہ اس حدیث کو نبی ﷺ اور آپ کے اصحاب کی ہجرت کے باب میں لائے ہیں۔ حالانکہ اس حدیث میں تو ہجرت کا ذکر نہیں ہے اور نہ ہی کوئی ہجرت کا لفظ موجود ہے سو یہ حدیث باب کے ساتھ مناسبت نہیں رکھتی۔ اس کا جواب دیتے ہوئے علامہ عینیؒ لکھتے ہیں کہ اس حدیث میں یومِ بعاث کا ذکر ہے اس طرح یہ حدیث حدیثِ سابق اور حدیثِ سابق بابِ سابق سے

2: سعیدی، علامہ غلام رسول(م2016ء)، ''نعمۃ الباری فی شرح صحیح البخاری''، ضیاالقرآن پبلی کیشنز، کراچی، 2012ء ج:5، ص:205-204

3: بخاری، ابو عبداللہ، محمد بن اسماعیل(م256ھ)، '' صحیح البخاری'' کتاب مناقب الانصار، باب مقدم النبی ﷺ واصحابہ المدینۃ، رقم الحدیث:3931، (دار الاحیاء الارشاد العربی، بیروت، 2006ء)، مجلدات:3

مطابقت رکھتی ہے تو مطابق کا مطابق بھی اس چیز کے مطابق ہوتا ہے۔لہٰذا حدیث سابق کے واسطے سے یہ حدیث بھی باب کے مطابق ہوئی۔[4] علامہ سعیدیؒ لکھتے ہیں:

''یہ حدیث بلاواسطہ باب کے مطابق ہے کیونکہ اس حدیث میں مسلمانوں کی عید کا ذکر ہے اور عید ہجرت کے بعد شروع ہوئی سو بغیر کسی تکلف کے یہ حدیث باب کے مطابق ہے نیز اس حدیث میں عید الفطر اور عید الاضحیٰ کا ذکر بھی موجود ہے اور یہ دونوں عیدیں ہجرت کے بعد شروع ہوئیں سو اس حدیث کی باب کے ساتھ بلاواسطہ مطابقت قائم ہے۔''[5]

امام بخاریؒ کا مزاج ایسے ہی ہے بظاہر حدیث کی مطابقت باب سے نظر نہیں آتی۔اگر بنظر غائر دیکھا جائے تو تب ہی تعلق قائم ہو سکتا ہے۔جزوی مناسبت کی بنا پر احادیث کو ابواب کے تحت لانا امام بخاریؒ کا خاصہ ہے۔اور اس کی باب سے مناسبت قائم کرنا علامہ سعیدیؒ کا خاصہ ہے۔

2-ایمانیات سے متعلق روایات

علامہ غلام رسول سعیدیؒ نے ان روایات پر خصوصی گفتگو کی ہے جن کا تعلق بنیادی عقائد اور نظریات سے ہے۔اصطلاح میں انسان کے پختہ اور اٹل نظریات کو عقیدہ کہا جاتا ہے، جیسا کہ انبیاء اور فرشتوں کے متعلق عقیدہ ہے کہ وہ معصوم عن الخطاء(گناہوں سے پاک) ہیں۔یعنی ان سے صغیرہ یا کبیرہ گناہوں کا صادر ہونا ممکن نہیں جبکہ صحابۂ کرام، اہلبیتِ اطہار، ازواجِ مطہرات محفوظ ہیں۔[6] ان کو اللہ تعالیٰ گناہوں سے بچا لیتا ہے، اگر گناہ ہو جائیں تو توبہ کی توفیق عطا فرما دیتا ہے۔

(i)-عصمتِ انبیاء

نبی اکرم ﷺ گناہوں سے پاک ہیں وہ گناہ صغیرہ ہوں یا کبیرہ، سہواً ہوں یا عمداً ہوں اعلانِ نبوت سے پہلے ہوں یا بعد میں ہوں دیگر انبیاء سے بعض اوقات اجتہادی خطائیں ہوئی ہیں جو صورتاً خطاء تھیں حقیقتاً خطاء نہیں تھیں۔

4: عینی، بدرالدین محمود بن احمد(م855ھ)،''عمدۃ القاری فی شرح صحیح البخاری''، الطباعۃ المنیریہ، مصر، 1348ھ، ج:17، ص:84

5: سعیدی،''نعمۃ الباری''، ج:7، ص:202

6: سعیدی،''نعمۃ الباری''، ج:5، ص:233

اس میں اللہ تعالیٰ کی بہت سی حکمتیں تھیں۔ جس طرح کہ حضرت آدمؑ کا شجرِ ممنوعہ سے کھانا، حضرت نوحؑ کا بیٹے کے لیے دعا کرنا، حضرت یونسؑ کا اللہ تعالیٰ سے اجازت لیے بغیر اپنی قوم کو چھوڑ کر چلے جانا، حضرت ابراہیمؑ کا بظاہر حقیقت کے خلاف بات کرنا وغیرہ۔ لیکن ان نفوسِ قدسیہ کو وحی کے ذریعے مطلع کیا گیا تو انہوں نے فوراً اس کا تدارک کر لیا حضرت سیدنا محمد ﷺ کے متعلق محققین کا مؤقف یہ ہے کہ آپؐ سے کبھی اجتہادی خطاء بھی سرزد نہیں ہوئی۔ امام فخر الدین رازیؒ (م606ھ) لکھتے ہیں ''ہمارے نزدیک مختار یہ ہے کہ انبیاء سے زمانہ نبوت میں یقینی طور پر کوئی گناہ صادر نہیں ہوتا، کبیرہ نہ صغیرہ''[7] علامہ سعد الدین تفتازانیؒ (م791ھ) لکھتے ہیں کہ ''انبیاء اعلانِ نبوت کے بعد کبیرہ گناہ مطلقاً نہیں کرتے۔''[8] قاضی عیاض مالکیؒ (م544ھ) لکھتے ہیں ''انبیاء اپنے کسب اور اختیار سے اللہ تعالیٰ کی طرف سے گناہوں سے معصوم ہوتے ہیں۔''[9] حافظ ابنِ حجر (م852ھ) لکھتے ہیں کہ ''ہمارے نبی اور دیگر انبیاء کی عصمت یہ ہے کہ وہ نقائص سے محفوظ ہوں اور کمالاتِ نفیسہ، نصرتِ الٰہی، ثابت قدمی اور انزالِ سکینہ کے ساتھ مخصوص ہوں انبیاء اور غیر انبیاء میں فرق یہ ہے کہ انبیاء کے لئے عصمت کا ثبوت واجب ہے (کیونکہ یہ قطعی الثبوت ہے) اور غیر انبیاء کے حق میں جائز ہے۔''[10]

(ii)۔ عصمتِ صحابہ

جمہور اہلِ اسلام کا عقیدہ ہے کہ صحابہ کرام سے اگر گناہ سرزد ہو تو ان کو توبہ کی توفیق دے دی جاتی ہے، توبہ کرنے والا پہلے کی طرح گناہ سے پاک ہو جاتا ہے۔ اس لئے سابقہ گناہوں کی وجہ سے ان کو ملامت کرنا جائز نہیں۔ بلکہ یہ ملامت تو گناہِ کبیرہ اور شدید گمراہی ہے اسی طرح انبیاء کرام سے جو اجتہادی خطائیں سرزد ہوئیں ان پر حرف گیری کرنا گناہ کبیرہ ہے، دوسرے شارحینِ حدیث نے یہ تو بتایا کہ انبیاء معصوم جبکہ صحابۂ کرام محفوظ ہوتے ہیں۔ لیکن کسی

7: رازی، امام فخر الدین محمد بن ضیاء الدین عمر (م606ھ)، ''تفسیر کبیر''، داراحیاء التراث العربی، بیروت، 1415ھ، ج:1، ص:301

8: تفتازانی، علامہ سعد الدین (م1390ء)، ''شرح المقاصد''، دار المعارف النعمانیہ، 140ھ، ج:2، ص:193

9: مالکی، قاضی عیاض (م544ھ)، ''الشفاء''، (عبد التواب اکیڈمی، ملتان، س،ن) ج:2، ص:125،

10: عسقلانی، حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر (م852ھ)، ''فتح الباری فی شرح صحیح البخاری''، دار الفکر، بیروت: 1420ھ، ج:11، ص:502

نے معصوم اور محفوظ کے فرق کو اس طرح واضح نہیں کیا۔ یہ اعزاز صرف علامہ سعیدیؒ کو حاصل ہے۔ عقائد، فقہ اور اصول فقہ کی کتب میں معصوم اور محفوظ کا فرق تو موجود ہے لیکن علامہ سعیدیؒ نے اس فرق کو مزید واضح کر دیا ہے، جس کو پڑھ کر قاری کے تمام اشکالات دور ہو جاتے ہیں۔اس سلسلے میں علامہ سعیدیؒ لکھتے ہیں:

''محفوظ کا معنٰی ہے بشری تقاضوں سے کبھی ان سے اگر گناہ سرزد ہو جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ موت سے پہلے ان کو توبہ کی توفیق عطا فرما دیتا ہے۔ جیسے حضرت حسّان بن ثابت (م60ھ) اور حضرت مسطح (م37ھ) اور حضرت حمنہ بنت جحش (م20ھ) نے بھی حضرت عائشہ (م58ھ) پر تہمت لگائی تھی اور ان پر قذف لگائی تھی[11] حضرت ماعز بن مالک اسلمی سے زنا کا فعل سرزرد ہو گیا اور ان کو سنگسار کیا گیا[12] حضرت ابنِ نعیمان نے شراب پی اور ان کو جوتے اور کوڑے لگائے گئے[13] لیکن ان تمام صحابہ نے حد جاری ہونے سے پہلے اپنے اپنے گناہوں پر توبہ کر لی تھی۔ اسی طرح ازواجِ مطہرات بھی محفوظ ہیں، بعض اوقات ان سے بشری تقاضے سے خطا سرزد ہو گئی، لیکن انہوں نے اس پر مداومت نہیں کی اور فوراً اس پر توبہ کر کے اس خطا کی تلافی کر لی۔ اگر کسی کو یہ شبہ ہو کہ صحابۂ کرام اتنے عظیم مرتبہ پر فائز تھے تو ان سے گناہ کیوں ہوئے؟ اس کے دو جواب ہیں ایک تو یہ کہ ان سے گناہ سرزد ہوئے ان پر حد جاری ہوئی تو حضور ﷺ کی حیاتِ مبارکہ میں اجراءِ حد کا نمونہ فراہم ہو گیا سو ان کے گناہ بھی تکمیلِ دین کا سبب بنے-دوسرا جواب یہ ہے کہ ان سے گناہ سرزد ہوئے تو عصمت اور حفاظت کا فرق معلوم ہوا نبی اور صحابہ کا فرق ہو گیا کیونکہ نبی سے گناہ نہیں ہوتا زیادہ سے زیادہ اجتہادی خطا سرزد ہو سکتی ہے''[14]

(iii)- عصمتِ ازواج النبی

حضرت عائشہ صدیقہ (م58ھ) کی بہت زیادہ فضیلت ہے۔ حضرت عائشہ عالمہ، فاضلہ تھیں۔ اللہ کے رسول ﷺ ازواج میں سے ان کے پاس ہوتے تھے تو وحی آجاتی، ان کی پاک دامنی کا ذکر اللہ تعالیٰ نے سورۃ النور کی آیت 11 سے 20 میں فرمایا ہے صحیح بخاری میں واقعہ افک پوری تفصیل کے ساتھ موجود ہے، جس میں حضرت عائشہ پر

11: سجستانی، ''سنن ابوداؤد''، کتاب الحدود، باب فی حد القذف، رقم الحدیث:4474

12: سجستانی، ''سنن ابوداؤد''، کتاب الحدوود، باب رجم ماعز بن مالک، رقم الحدیث:4419

13: بخاری، ''صحیح بخاری''، رقم الحدیث:2316

14 سعیدی، ''نعمۃ الباری''، ج:5، ص:234-233

تہمت لگنے اور ان کی برأت میں وحی نازل ہونے کی تفصیل ہے۔[15] اس حدیث سے فقہائے کرام نے بہت سے مسائل مستنبط کئے۔ سب کا یہی مؤقف ہے کہ انبیاء کی ازواج پاک ہوتی ہیں۔ امام ابو جعفر محمد بن جریر طبریؒ (م310ھ) اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں کہ مابغت امرأة نبی قط[16] ''کسی نبی کی بیوی نے کبھی بدکاری نہیں کی'' امام ابوالحسن علی بن احمد الواحدی نیشاپوریؒ (م468ھ) لکھتے ہیں: قال ابن عباس مابغت امرأةنبی قط[17] ''حضرت ابنِ عباس نے فرمایا کسی نبی کی بیوی نے کبھی بدکاری نہیں کی'' امام الحسین بن مسعود الفراء بغویؒ (م516ھ) نے بھی یہی لکھا۔[18] ابوالقاسم محمود بن عمر الزمخشری الخوارزمیؒ (م538ھ) نے بھی اسی روایت کو لکھا۔[19]

حافظ ابوالقاسم علی بن الحسن المعروف بابن عساکرؒ (م571ھ) اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا کسی نبی کی بیوی نے کبھی بھی زنا نہیں کیا۔[20] امام ابنِ جوزیؒ (م597ھ)، امام رازیؒ (م606ھ)، علامہ قرطبیؒ (م668ھ)، علامہ خازنؒ (م725ھ)، علامہ ابوالحیان اندلسیؒ (م754ھ)، حافظ ابنِ کثیرؒ (م774ھ)، علامہ جلال الدین سیوطیؒ (م911ھ) شیخ محمد بن علی بن محمد شوکانیؒ (م1250ھ)، علامہ آلوسیؒ (م1270ھ) اور نواب صدیق حسن خاں بھوپالیؒ (م1307ھ) ان سب کا مؤقف یہی ہے۔ لیکن علامہ سعیدیؒ کے نزدیک ایک ایسا مسئلہ جس کی طرف اِن علماء نے غور نہیں کیا وہ یہ ہے کہ ایک ماہ تک اس سلسلے میں

---

15 بخاری، ''صحیح بخاری''، کتاب الشھادات، باب تعدیل النساء بعضنا بعضا، رقم الحدیث: 2661

16: طبری، ابو جعفر محمد بن جریر (م311ھ)، ''جامع البیان''، مطبوعہ دارالفکر، بیروت، 1415ھ، رقم الحدیث: 26710

17: نیشاپوری، ابوالحسن علی بن احمد (م468ھ)، ''الوسیط''، مطبوعہ دارالکتب العلمیہ، بیروت، 1415ھ، ج:4، ص:322

18: بغوی، ابو الحسین بن مسعود الفراء، (م516ھ)، ''معالم التنزیل''، دارالکتب العلمیہ، بیروت، 1414ھ، ج:4، ص:338

19: زمخشری، محمود بن عمر (م538ھ)، ''الکشاف''، داراحیاء التراث العربی، بیروت، 1417ھ، ج:4، ص:576

20: ابن عساکر، ابوالقاسم علی بن الحسن (م571ھ)، ''تاریخ دمشق الکبیر''، داراحیاء التراث العربی، بیروت، 1421ھ، ج:3، ص:244، رقم الحدیث: 11722

نبی ﷺ پر وحی نازل نہیں ہوئی اس میں کیا حکمت ہے حالانکہ اگر فوراً وحی نازل ہو جاتی تو کسی کو بھی پریشانی کا سامنا نہ کرنا پڑتا اس پر کسی شارح نے کلام نہیں کیا۔ علامہ سعیدیؒ ان حکمتوں کا خلاصہ ان الفاظ میں بیان کرتے ہیں:

''نبی ﷺ پر اس معاملے میں فوراً وحی نازل نہ کرنے کی پہلی وجہ یہ ہے کہ مخلصین اور غیر مخلصین مسلمانوں میں امتیاز ہو گیا، دوسری وجہ یہ ہے کہ وحی میں تاخیر کی وجہ سے بعض مسلمانوں پر حدِ قذف لگائی گئی اور تیسری وجہ یہ ہے کہ وحی میں تاخیر کی وجہ سے یہ معلوم ہو گیا کہ جنت اور مغفرت کی بشارت گناہ نہ کرنے کو مستلزم نہیں ہے اور چوتھی وجہ ہے کہ اس سے معصوم اور محفوظ کا فرق معلوم ہو گیا۔''[21]

واقعہ افک والی روایت سے مالکی، حنفی علماء و دیگر فقہائے کرام اور اکابرین نے بہت سے مسائل اخذ کئے ہیں۔ تاہم علامہ سعیدیؒ نے جس مؤقف کو بیان کیا ہے اس منہج و اسلوب سے کسی نے بیان نہیں کیا۔

(iv)-پانچ نمازیں گناہوں کا کفارہ

پانچ نمازیں گناہوں کا کفارہ ہیں ان گناہوں سے مراد گناہ کبیرہ ہیں یا صغیرہ، اور کیا صغیرہ گناہ نمازوں سے معاف ہونگے یا جو آدمی کبیرہ گناہوں سے بچتا رہے اس کے صغیرہ گناہ معاف ہونگے۔ ترمذی کی روایت ہے الصَّلَوَاتُ الخَمْسُ، وَالجُمُعَةُ إِلَى الجُمُعَةِ، كَفَّارَاتٌ لِمَا بَيْنَهُنَّ، مَالَمْ تُغْشَ الكَبَائِرُ[22] ترجمہ: روزانہ پانچ وقت کی نماز اور ایک جمعہ سے دوسرا جمعہ درمیان کے گناہوں کا کفارہ ہیں، جب تک کہ کبیرہ گناہ سرزد نہ ہوں۔ اس حدیث سے ثابت ہوا کہ پانچ نمازیں ادا کرنے سے صغیرہ گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔ جبکہ قرآنِ مجید میں مذکور ہے إِن تَجْتَنِبُوا كَبَائِرَ مَا تُنْهَوْنَ عَنْهُ نُكَفِّرْ عَنكُمْ سَيِّئَاتِكُمْ وَنُدْخِلْكُم مُّدْخَلًا كَرِيمًا[23] ترجمہ: اگر تم کبیرہ گناہوں سے جن سے تمہیں روکا گیا ہے بچتے رہو تو ہم تم سے تمہاری چھوٹی برائیاں مٹا دیں گے اور تمہیں عزت والی جگہ میں داخل فرما دیں گے۔ اس مقام پر حدیثِ نبوی اور قرآنِ مجید کے درمیان اشکال ہے کہ گناہِ کبیرہ سے بچنے پر صغیرہ گناہ معاف ہو جاتے ہیں تو جو حدیث میں گناہوں کی معافی کا ذکر ہے اس سے کون سے گناہ مراد ہیں اس حوالے سے علامہ عینیؒ (م855ھ) لکھتے ہیں کہ ''اس

21: سعیدی، ''نعمۃ الباری''، ج:5، ص:486

22: ترمذی، ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ (م279ھ)، ''سنن ترمذی کتاب الصلوٰۃ،'' باب ماجاء فی فضل الصلوٰت الخمس، رقم الحدیث: 205، دار الفکر، بیروت، 1442ھ

23: النساء 4: 31

آیت کا منشایہ ہے کہ انسان تمام عمر گناہوں سے مجتنب رہے تو اس کے صغیرہ گناہ معاف ہوتے ہیں اور حدیث کا منشایہ ہے کہ ہر روز پانچ نمازیں پڑھنے سے اس کے اس روز کے صغیرہ گناہ معاف کر دیئے جائیں گے، لہٰذا قرآنِ مجید سے صغائر کی معافی اور حدیث سے صغائر کی معافی دونوں کے محمل الگ الگ ہیں۔"[24]

علامہ سعیدیؒ علامہ عینیؒ کے مؤقف پر تنقید کرتے ہیں کہ اللہ کی رحمت کو بغیر کسی دلیل کے مقیّد کرنا درست نہیں ہے ایک آدمی ساری زندگی کبیرہ گناہوں سے باز رہے تب اس کے گناہ معاف ہوں گے یہ کہنا صحیح نہیں ہے علامہ سعیدیؒ کہتے ہیں کہ اگر کوئی آدمی کبیرہ گناہوں سے دور رہے تو اس کے صغیرہ گناہ معاف ہو جائیں گے تو پھر نمازوں سے کون سے گناہ معاف ہونگے اشکال تو اسی طرح برقرار ہے علامہ سعیدیؒ کہتے ہیں کہ علامہ عینیؒ کا یہ جواب صحیح طرح اشکال دور نہیں کرتا اس اشکال کے حوالے سے علامہ سعیدی رقمطراز ہیں: "اصل اشکال یہ ہے کہ جو شخص کبائر سے مجتنب رہا اور اس نے دن میں پانچ نمازیں بھی پڑھیں تو اس کے صغائر کا کفارہ تو اجتناب کبائر سے ہو گیا تو اب دن کی پانچ نمازیں پڑھنے سے کس چیز کا کفارہ ہوا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ جس شخص کے صغائر کا کفارہ اجتناب کبائر سے ہو گیا یا جس شخص کے صغائر تھے ہی نہیں تو پانچ نمازیں پڑھنے سے اس کے درجات میں ترقی ہو جائے گی۔ اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اس کے صغائر اور کبائر زیادہ ہوں اور اس نے اس روز بعض کبائر سے اجتناب کیا ہو، جس کی وجہ سے اس کے صغائر معاف ہو گئے ہوں اور اسکے کبائر ابھی باقی ہوں اور اس روز پانچ نمازیں پڑھنے کی وجہ سے باقی ماندہ کبائر میں تخفیف ہو جائے گی، بہر حال اجتناب کبائر کی وجہ سے صغائر کی معافی کا الگ فائدہ ہے اور پانچ نمازیں پڑھنے کی وجہ سے درجات میں بلندی یا تخفیف کبائر کا الگ فائدہ ہے اور قرآنِ مجید اور اس حدیث میں سے کوئی بھی عبث اور بے فائدہ نہیں ہے"[25]

قرآنِ مجید کی آیت اور حدیث کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے علامہ عینیؒ نے جو جواب دیا ہے اس سے اشکال دور نہیں ہوا علامہ سعیدیؒ نے اس اشکال کا درست جواب دیا ہے کہ کبائر سے بچے تو صغائر معاف، نمازوں سے درجات کی بلندی ہو گی اور اگر صغائر نہ ہو تب کبائر میں تخفیف ہو گی اور درجات کی بلندی بھی ہو گی۔ علامہ عینی کے علاوہ کوئی اس اشکال کو دور کرنے کے درپے نہیں ہوا علامہ عینی کے جواب سے بھی اشکال دور نہیں ہوا علامہ سعیدی نے اس اشکال کو دور کیا۔

24: ابنِ حجر، "فتح الباری"، ج:2، ص:147

25: سعیدی، "نعمۃ الباری"، ج:2، ص:362

3-روایاتِ سیرت

سیرت کے بارے میں مختلف روایات کو بیان کر کے ان میں تطبیق دے کر اختلاف کو دور کرنا بھی علامہ سعیدی کا منفرد انداز ہے جو سطور ذیل میں واضح ہوتا ہے۔

(i)- محرم سے نکاح

حالتِ احرام میں نکاح جائز ہے یا ناجائز، حضرتِ علی (م40ھ)، حضرت زید بن ثابت (م45ھ)، حضرت ابنِ عمر (م73ھ)، اور فقہاء کرام میں سے امام مالکؒ (م179ھ)، امام شافعیؒ (م204ھ) اور امام احمد (م241ھ) کا مؤقف ہے کہ محرم کسی سے نکاح نہ کرے، اگر اس نے نکاح کر لیا تو وہ نکاح باطل ہے۔ جبکہ حضرت ابنِ مسعود (م32ھ)، حضرت ابنِ عباس (م68ھ)، انس بن مالک (م93ھ) اور فقہاءِ احناف کے نزدیک محرم کا نکاح جائز ہے۔اس حوالے سے دو مختلف روایات ہیں ایک روایت حضرت ابنِ عباس اور دوسری حضرت ابو رافع (م3ھ) سے مروی ہے عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا،اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَزَوَّجَ مَيْمُونَةَوَهُومُحْرِمٌ[26] ترجمہ حضرت ابنِ عباس سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے حضرت میمونہ (م51ھ) سے نکاح کیا اور آپ اس وقت محرم تھے۔ جبکہ ترمذی کی دوسری روایت میں ہے ابو رافع بیان کرتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے حضرت میمونہ سے نکاح کیا اور اس وقت آپ غیر محرم تھے اور آپ نے ان سے شب باشی کی اور اس وقت آپ غیر محرم تھے اور میں ان کے درمیان پیغام رساں تھا۔[27] ابنِ بطالؒ (م449ھ) لکھتے ہیں کہ محرم کے لیے نکاح کرنا جائز ہے۔[28] امام مالکؒ کہتے ہیں ابو غطفان بن طریف المرّی نے بیان کیا کہ ان کے والد طریف نے ایک عورت سے

26: بخاری، ''صحیح بخاری''، کتاب جزاء الصید، باب تزویج المحرم، رقم الحدیث: 1837

27 : ترمذی، ''سنن ترمذی''، کتاب الحج عن رسول اللہ ﷺ، باب ماجاء فی الرخصۃ فی ذلک، رقم الحدیث: 842

27 : ترمذی، ''سنن ترمذی''، کتاب الحج عن رسول اللہ ﷺ، باب ماجاء فی الرخصۃ فی ذلک، رقم الحدیث: 842

28: ابنِ بطال، ابو الحسن علی بن خلف بن عبد الملک مالکی (م449ھ)، '' ابنِ بطال شرح صحیح البخاری''، مکتبہ الرشید، ریاض، 1420ھ، ج:4، ص:457

نکاح کیا اور وہ مُحرِم تھے تو عمر بن خطاب (م 23ھ) نے ان کے نکاح کو ردّ کر دیا۔[29] علامہ سعیدیؒ ان روایات پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''ابنِ عباس والی روایت صحیح بخاری کی ہے جبکہ دوسری روایت مسلم، ابوداؤد اور ترمذی وغیرہ کی ہے تو صحیح بخاری کی روایت کو دوسری کتب حدیث کی روایت پر ترجیح ہے اور بخاری والی روایت کو مسلم، سنن ترمذی اور سنن نسائی اور سنن ابنِ ماجہ نے بھی روایت کیا ہے۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ پہلی حدیث ابنِ عباس سے مروی ہے جبکہ دوسری حضرت ابورافع سے مروی ہے ابنِ عباس تو گھر کے فرد ہیں اور وہ حضور ﷺ کے عم زاد بھی ہیں اور حضرت میمونہ کے بھانجے ہیں ابورافع تو غیر اور باہر کے آدمی ہیں اور نکاح کے معاملے میں گھر کا آدمی باہر کے آدمی کی نسبت زیادہ جانتا ہے اس لئے ابنِ عباس کی روایت حضرت ابورافع کی روایت سے راجح ہے اور قوتِ سند کے اعتبار سے بھی راجح ہے۔''[30]

علامہ سعیدیؒ مزید لکھتے ہیں:

''حضرت ابنِ عباس کی روایت میں اس واقعہ کا ثبوت ہے کہ آپ نے حضرت میمونہ سے حالتِ احرام میں نکاح کیا ہے اور حضرت ابورافع کی روایت میں اس واقعہ کی نفی ہے۔ اور جب کسی واقعہ کے ثبوت اور اس واقعہ کی نفی کی احادیث میں تعارض ہو تو ثبوت کی روایت کو ترجیح ہوتی ہے، اس اعتبار سے بھی حضرت ابنِ عباس کی روایت حضرت ابورافع کی روایت پر راجح ہے۔''[31]

اس روایت کے متعلق جس طرح علامہ سعیدیؒ نے وضاحت کے ساتھ ابنِ عباس کی روایت کو ابورافع کی روایت پر ترجیح دی ہے، وہ آپ کا خاص امتیاز ہے۔ علامہ سعیدیؒ نے ابنِ عباس کی روایت کو درج ذیل وجوہات کی بناء پر ترجیح دی ہے۔

1۔ ابنِ عباس والی روایت صحیح بخاری کی روایت کردہ ہے اور بخاری والی روایت کو مسلم، سنن ترمذی، سنن نسائی اور ابنِ ماجہ نے بھی روایت کیا ہے۔

2۔ ابنِ عباس گھر کے فرد ہیں جبکہ ابورافع تو گھر کے فرد نہیں ہیں۔

29: مالک بن انس (م 179ھ)، ''موطا امام مالک''، کتاب الحج، باب نکاح المحرم، دار احیاء التراث العربی، بیروت۔ 1998ء

30: سعیدی، ''نعمۃ الباری''، ج:4، ص:276

31: ایضا

3۔ابنِ عباس حضور ﷺ کے چچازاد ہیں جبکہ ابو رافع کا اس حوالے سے کوئی رشتہ نہیں ہے۔
4۔ابنِ عباس فقیہ ہیں جبکہ ابو رافع فقیہ نہیں ہیں ۔یہ نکات بیان کرنے میں علامہ سعیدی دیگر شارحین حدیث سے منفرد ہیں۔

(ii)-حضرت زینب بنتِ جحش کے گھر شہد کا کھانا

اللہ کے رسول ﷺ شہد کو بہت پسند فرماتے تھے۔شہد میں بہت سی بیماریوں کی شفاء ہے۔لیکن آپؐ مغافیر کی بو نا پسند کرتے تھے ۔عرفط نام کا ایک درخت ہے جس کو گونہ لگتا ہے ،اس کو مغافیر کہا جاتا ہے۔حضور ﷺ شہد پینے کے لیے اکثر حضرت زینب(م20ھ) کے پاس جایا کرتے تھے حضرت عائشہ (م58ھ) اور حضرت حفصہ (م45ھ) کو یہ بات پسند نہیں تھی کہ اللہ کے رسول ﷺ زیادہ وقت حضرت زینب کے پاس گزاریں انہوں نے آپس میں مشورہ کیا کہ جب حضور ﷺ حضرت زینب کے گھر سے شہد پی کر آئیں گے تو ہم کہیں گے کہ آپؐ نے مغافیر کھایا ہے ؟آپ سے اس کی بو آرہی ہے جب آپؐ سے پوچھا گیا کہ آپ نے مغافیر کھایا ہے ؟آپؐ سے مغافیر کی بو آرہی ہے سرکار ﷺ نے فرمایا نہیں میں نے تو زینب کے گھر سے شہد پیا ہے۔حضرت عائشہ اور حضرت حفصہ نے حیلہ کیا تھا اس سلسلے میں اعتراض کیا جاتا ہے کیا حضور ﷺ کی ازواج نے جھوٹ بولا،اس کی وضاحت کرتے ہوئے علامہ سعیدیؒ لکھتے ہیں:

''جھوٹ تب ہوتا جب وہ آپ کو یہ خبر دیتیں کہ آپ نے مغافیر کھایا ہے، جب کہ انہوں نے نبی ﷺ سے پوچھا تھا: کیا آپ نے مغافیر کھایا ہے؟ یہ آپ کے منہ سے کیسی بو آرہی ہے ؟انہوں نے یہ بات سوالیہ انداز میں کہی اور حروف استفہام کو ذکر نہیں کیا،اور اس کو انہوں نے حیلہ سے تعبیر کیا،یعنی یہ آپ کو شہد پینے سے یا حضرت زینب کے پاس زیادہ ٹھہرنے سے روکنے کی خفیہ تدبیر تھی اور حیلہ کرنا جائز ہے، جیسے یوسفؑ نے بنیامین کو اپنے پاس روکنے کے لیے حیلہ کیا تھا،اسی طرح حضرت عائشہ اور حضرت حفصہ نے یہ تدبیر اختیار کی تا کہ وہ نبی ﷺ کو زیادہ دیر اپنے پاس ٹھہرا سکیں۔''[32]

اس حوالے سے علامہ سعیدیؒ کی رائے بالکل درست ہے۔رسول اللہ ﷺ کی ازواج نے جھوٹ نہیں بولا ازواجِ مطہرات نے شرعی حیلہ کیا تو شرعی حیلہ بہت سے شرعی کاموں میں جائز ہے حضرت ابراہیمؑ نے بادشاہ کے

32: سعیدی، ''نعمۃ الباری''، ج:2، ص:152

سامنے اپنی بیوی سارہ کو بہن کہا لیکن اس سے مراد انہوں نے شرعی بہن لیا۔ ہجرتِ مدینہ کے سفر میں حضرت ابو بکر صدیق (م13ھ) سے لوگ حضورؐ کے متعلق سوال کرتے کہ تمہارے ساتھ کون ہیں؟ تو حضرت ابو بکر صدیق فرماتے هذا يهديني السبيل یہ میرا رہنما ہے اور مجھے راستہ دکھاتا ہے۔[33] لوگ مدینے کا راستہ سمجھتے رہے جبکہ ابو بکر صدیق اللہ کا راستہ مراد لے رہے تھے۔ اسی طرح حضرت ابو طلحہ (م51ھ) کا بچہ بیمار ہو گیا وہ کام پر گئے بچے نے دم توڑ دیا ان کی رفیقۂ حیات اُمِ سلیم سے سوال کرنے پر بتایا هذا نفسه وارجوا ان يكون قد استراح اسے اب سکون آگیا ہے اور مجھے امید ہے کہ اب اسکی تکلیف ختم ہو گئی ہے حضرت ابو طلحہ نے سمجھا کہ واقعی بچے کو آرام آگیا ہے جبکہ اُمِ سلیم کا جواب اس اعتبار سے درست تھا کہ مرنے کے بعد تمام بیماریوں سے نجات مل جاتی ہے۔ اسی طرح کی اور بھی بہت سی مثالیں موجود ہیں لہٰذا ان روایات میں بھی ازواجِ مطہرات نے جھوٹ نہیں بولا بلکہ شرعی حیلہ کیا ہے۔

(iii)- قلبِ اطہر سونے کے طشت میں

واقعۂ معراج کے وقت جب آپؐ کا شقِ صدر ہوا تو آپؐ کے دل کو فرشتوں نے سونے کے طشت میں رکھا۔ سونے کا برتن سب سے بہتر دھات ہے۔ جنت کے برتنوں میں سے ہے، اسکو آگ کھاتی ہے نہ مٹی اور نہ اس کو زنگ لگتا ہے، سب سے زیادہ ثقیل ہے۔ اس کے متعلق اعتراض کیا جاتا ہے مردوں پر تو سونا حرام ہے تو آپؐ کے لیے سونے کا طشت کیوں استعمال کیا گیا اس کا جواب علامہ ابنِ حجرؒ (م852ھ) نے دیا کہ یہ واقعہ سونے کے برتنوں کے استعمال کی تحریم سے پہلے کا ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ اس کو فرشتے استعمال کر رہے تھے نہ کہ اللہ کے رسول ﷺ۔ تیسری بات یہ ہے کہ معراج میں پیش آنے والے اکثر امور کا تعلق غیب اور آخرت سے تھا سونے کے استعمال کی حرمت دنیا میں ہے آخرت میں نہیں ہے۔[34] اس کے علاوہ علامہ عینیؒ (م855ھ) نے بھی یہی جوابات دیئے ہیں۔[35] اس حوالے سے علامہ سعیدیؒ نے جو جواب دیا ہے وہ آپ کا ہی امتیاز ہے، لکھتے ہیں: ''میں کہتا ہوں اس کا

33: ابن الاثیرؒ، ابوالحسن علی بن ابی الکرم محمد بن الجزری (م630ھ)، ''اسد الغابة فی معرفة الصحابة''، داراحیاء التراث، بیروت، 1996، ج:3، ص:25

34: ابن حجر، ''فتح الباری''، ج:5، ص:82

35: عینی، ''عمدۃ القاری''، ج:17، ص:31

جواب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ عام مسلمانوں کو نعمتیں جنت میں عطاء کی جائیں گی، نبی ﷺ کو وہ نعمتیں دنیا میں ہی عطاء کر دی گئی ہیں، دیکھیے چار سے زائد نکاح کی نعمت عام مسلمانوں کو جنت میں عطاء کی جائے گی، نبی ﷺ کو یہ نعمت دنیا میں ہی عطاء کر دی گئی ہے، اللہ عزّوجل کے دیدار کی نعمت عام مسلمانوں کو جنت میں عطاء کی جائے گی اور نبی ﷺ کو یہ نعمت دنیا میں ہی عطاء کر دی گئی ہے، اسی طرح عام مسلمانوں کو سونے کے برتنوں کو استعمال کرنے کی نعمت جنت میں عطا کی جائے گی اور آپ کو یہ نعمت دنیا میں ہی عطاء کر دی گئی ہے، یہ وہ جواب ہے جس میں بحمدہ تعالیٰ میں منفرد ہوں، میرے علاوہ یہ جواب کسی نے نہیں لکھا۔"[36]

قلبِ اطہر کو سونے کے طشت میں رکھنے کے متعلق جس رائے کا اظہار علامہ سعیدی نے کیا ہے اس رائے کے اظہار کرنے میں علامہ سعیدی منفرد ہیں۔ شارحین حدیث میں سے کسی اور نے اس رائے کا اظہار نہیں کیا۔

4۔ فقہی روایات

بعض روایات جو فقہی مسائل پر مشتمل ہیں، کی وضاحت کرتے ہوئے جن نکات کو بیان کیا ہے یہ ان کی خصوصیت ہے ان میں کم عقل کے تصرفات پر پابندی لگانا، بغیر اجازت دودھ دھونا اور لعان کے مسائل و اقسام اہم ہیں۔

(i)۔ کم عقل کے تصرّفات پر پابندی لگانا

امام ابو حنیفہؒ (م150ھ) کا قول ہے کہ آزاد، بالغ، عاقل اور کم عقل شخص پر اس کے مال میں تصرّف پر پابندی لگانا جائز نہیں ہے اگرچہ وہ اپنے مال میں فضول خرچی کرتا ہو یا اس کو ضائع کرتا ہو، اور ایسی جگہوں پر خرچ کرتا ہو جہاں خرچ کرنے کی کوئی حاجت نہ ہو جبکہ امام ابو یوسفؒ (م182ھ)، امام محمدؒ (189ھ) اور امام شافعیؒ (م204ھ) کے نزدیک پابندی لگائی جائے گی۔[37] کیونکہ وہ اپنے مال کو خرچ کر کے ضائع کرنے والا ہے اور اس طرح خرچ کرنے والا نہیں ہے، جس طرح عقل کا تقاضا ہے، اس کو بچے پر قیاس کر کے اس کو تصرّف سے روکا جائے بلکہ بچے کی نسبت زیادہ شدّت سے منع کیا جائے کیونکہ بچے میں تو یہ خطرہ ہے کہ وہ مال کو ضائع کر دے گا اور یہ بالفعل مال کو ضائع کر رہا ہے اور اس پر پابندی لگائے بغیر اس کو روکنا ممکن نہیں ہے۔ کیونکہ وہ اپنی زبان سے بھی تصرّف

36: سعیدی، "نعمۃ الباری"، ج:7، ص:104

37: ایضا، ج:5، ص:143

کر کے اپنے مال کو ضائع کر سکتا ہے۔امام ابو حنیفہؒ کی دلیل یہ ہے کہ وہ عاقل ہے اس کو کم عقل قرار دے کر پابندی لگانا جائز نہیں ہے۔

ان اقدام سے اس کی ولایت سلب کرنا لازم آئے گا اور اس کی آدمیت کو زائل کر کے جانوروں سے ملانا لازم آئے گا اور یہ ضرر اس کی فضول خرچی کرنے سے زیادہ ہے لہٰذا ادنٰی ضرر کو دور کرنے کے لئے اعلیٰ ضرر کو برداشت نہیں کیا جائے گا۔ حتیٰ کہ اگر پابندی لگانے سے ضرر عام دفع ہوتا ہو، تو پھر پابندی لگانا ضروری ہے۔ مثلاً جاہل طبیب یا وہ حکیم جس نے باقاعدہ علمِ طب حاصل نہ کیا ہو جو اپنے ٹوٹکوں سے لوگوں کی جان اور صحت سے کھیلتا ہو یا جاہل مفتی جو رشوت لے کر لوگوں کی خواہشات کے مطابق فتوے دے ایسے لوگوں کے تصرّفات پر پابندی لگانا ضروری ہے تاکہ عام لوگ ان کے تصرّفات کے شر اور ضرر سے محفوظ رہ سکیں کیونکہ اس میں ادنٰی ضرر کو برداشت کر کے لوگوں کو اعلیٰ ضرر سے بچانا ہے۔اور کم عقل شخص کو اس کے مالی تصرّفات سے نہیں روکا جائے گا اور اس کا ہبہ کرنا اور صدقہ کرنا نافذ ہو گا، تاہم امام ابو حنیفہؒ کے مؤقف پر اعتراض ہو گا کہ نبی اکرم ﷺ نے ایک کم عقل شخص حضرت حبّان بن منقذ کے تصرّف پر پابندی لگائی۔ حضرت حبّان بن منقذ نے اپنے ایک غلام کو مدبّر کر دیا تھا اور نبی نے اس مدبّر غلام کو فروخت کر دیا اور نبی نے اس کو فروخت کر کے یہ مسئلہ بتا دیا کہ حضرت حبّان بن منقذ کا اس غلام کو مدبّر کرنا صحیح نہیں تھا اور یہی ان کے تصرّف پر پابندی لگانا ہے۔ جب کہ امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک آزاد، عاقل، بالغ اور کم عقل کے تصرّف پر پابندی لگانا جائز نہیں ہے۔ علامہ سعیدیؒ امام ابو حنیفہؒ کے مؤقف کی وضاحت کرتے ہوئے رقمطراز ہیں:

"میں نے فقہاء احناف اور احناف شارحین میں سے کسی کی کتاب میں نہیں پڑھا جو اس اشکال کے جواب کے درپے ہوا ہو۔ لیکن اس عاجز پر فیوضات الٰہیہ کے انوار سے اس اشکال کا یہ جواب منکشف ہوا کہ حضرت حبّان بن منقذ کے تصرّف پر اس صورت میں پابندی لگائی جب ان کے تصرّف سے ان کے ورثاء کو نقصان ہو رہا تھا کیونکہ اس غلام کے سوا ان کا کوئی مال نہیں تھا اور ان کے مرنے کے بعد وہ غلام ان کے وارثوں کا مال تھا اگر ان کے مرنے کے بعد اس غلام کو آزاد کر دیا جاتا جیسا کہ مدبّر میں ہوتا ہے تو یہ وارثوں کا نقصان ہوتا امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک یہ جائز ہے اس لئے امام ابو حنیفہؒ جاہل، طبیب اور راشی مفتی کے تصرّفات پر پابندی لگانے کو جائز کہتے ہیں کیونکہ وہ دوسروں کے نقصان کا سبب

تھا-اس لئے نبی ﷺ نے مدبرّ غلام کو فروخت کر کے ان کے ایسے تصّرف پر پابندی لگادی جو دوسروں کے لئے باعثِ ضرر تھا-لہٰذا امام ابو حنیفہؒ اور زیر بحث حدیث میں کوئی تضاد نہیں۔"[38]

امام اعظم ابو حنیفہؒ کے قول کے مطابق آزاد، عاقل، بالغ، کم عقل آدمی پر اس کے مال کے تصرف پر پابندی لگانا جائز نہیں ہے۔ لیکن امام صاحب کی طرف سے کسی فقیہ، شارحِ حدیث نے اس کی وضاحت نہیں کی اور نہ اس کا جواب دیا امام ابو حنیفہؒ کی طرف سے علامہ سعیدیؒ نے اس کا جواب دیا، اس پر علامہ سعیدیؒ فخر نہیں کرتے نہ تکبر کرتے ہیں۔ بلکہ محض اللہ کا فضل اور فیضانِ رسول ﷺ قرار دیتے ہیں۔

(ii)-بغیر اجازت دودھ دوھنا

کسی کے جانور کا دودھ مالک کی اجازت کے بغیر دھو سکتے ہیں کہ نہیں۔اس کے ساتھ تعلقات دوستانہ ہوں پھر کیا حکم ہے؟ اگر اس کے ساتھ تعلقات بہتر نہیں ہیں یا ان کا آپس میں لین دین نہیں چلتا پھر کیا حکم ہے؟ اسی طرح اگر مالک رشتہ دار ہو تو پھر کیا حکم ہو گا کیونکہ ہر علاقے، جگہ کے ماحول کا حساب مختلف ہوتا ہے بعض جگہوں پر لوگوں کے تعلقات اس قسم کے ہوتے ہیں کہ وہ بغیر اجازت بھی دوسرے کی اشیاء استعمال کر لیتے ہیں ۔رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ لاَيَحْلُبَنَّ أَحَدٌمَاشِيَةَامْرِئٍ بِغَيْرِإِذْنِهِ،أَيُحِبُّ أَحَدُكُمْ أَنْ تُؤْتَى مَشْرُبَتُهُ،فَتُكْسَرَخِزَانَتُهُ،فَيُنْتَقَلَ طَعَامُهُ،فَإِنَّمَاتَخْزُنُ لَهُمْ ضُرُوعُ مَوَاشِيهِمْ أَطْعِمَاتِهِمْ،فَلاَيَحْلُبَنَّ أَحَدٌمَاشِيَةَأَحَدٍإِلَّا بِإِذْنِهِ[39] ترجمہ: کوئی شخص کسی دوسرے کے جانور کا دودھ اس کی اجازت کے بغیر نہ دوہے، کیا تم میں سے کوئی شخص اس کو پسند کرتا ہے کہ کوئی شخص اس کے گودام میں جا کر اس کا ذخیرہ کھولے اور اس میں سے بعام نکال کر لے جائے؟ پس ان کے مویشیوں کے تھنوں میں ان کا بعام محفوظ ہوتا ہے، لہٰذا کوئی شخص کسی دوسرے کے مویشی کا دودھ اس کی اجازت کے بغیر نہ دوہے۔فقہاء نے اپنی اپنی تحقیق کے مطابق اس تعارض کے جواب دیئے کہ مالک کی اجازت کے بغیر اس کے گھر کا کھایا جا سکتا ہے کہ نہیں یا اس کے جانور کا دودھ دوہا جا سکتا ہے کہ نہیں۔ لیکن بقول علامہ سعیدیؒ کسی نے بھی کافی اور شافعی جواب نہیں دیا ۔علامہ سعیدیؒ نے اس کا جواب قرآنِ مجید کی آیت سے دیا ہے۔لَيْسَ عَلَى الْأَعْمَى حَرَجٌ وَلَاعَلَى الْأَعْرَجِ حَرَجٌ وَلَاعَلَى الْمَرِيضِ حَرَجٌ وَلَاعَلَى أَنْفُسِكُمْ أَنْ تَأْكُلُوامِنْ بُيُوتِكُمْ أَوْبُيُوتِ آبَائِكُمْ أَوْبُيُوتِ أُمَّهَاتِكُمْ أَوْبُيُوتِ

38: سعیدی، ''نعمۃ الباری''، ج:5، ص:143

39: بخاری، ''صحیح بخاری''، کتاب اللقطۃ، بَابُ لاَ تُحْتَلَبُ مَاشِيَةُ أَحَدٍ بِغَيْرِ إِذْنٍ، رقم الحدیث:2435

إِخْوَانِكُمْ أَوْبُيُوتِ أَخَوَاتِكُمْ أَوْبُيُوتِ أَعْمَامِكُمْ أَوْبُيُوتِ عَمَّاتِكُمْ أَوْبُيُوتِ أَخْوَالِكُمْ اَوْبُيُوتِ خَالَاتِكُمْ أَوْمَامَلَكْتُمْ مَفَاتِحَهُ أَوْصَدِيقِكُمْ لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ أَنْ تَأْكُلُواجَمِيعًاأَوْأَشْتَاتًا[40] ترجمہ: اندھے پر کوئی رکاوٹ نہیں اور نہ لنگڑے پر کوئی حرج ہے اور نہ بیمار پر کوئی گناہ ہے اور نہ خود تمہارے لئے کوئی مضائقہ ہے کہ تم اپنے گھروں سے کھانا کھالو یا اپنے باپ دادا کے گھروں سے یا اپنی ماؤں کے گھروں سے یا اپنے بھائیوں کے گھروں سے یا اپنی بہنوں کے گھروں سے یا اپنے چچاؤں کے گھروں سے یا اپنی پھوپھیوں کے گھروں سے یا اپنے ماموؤں کے گھروں سے یا اپنی خالاؤں کے گھروں سے یا جن گھروں کی کنجیاں تمہارے اختیار میں ہیں یعنی جن میں ان کے مالکوں کی طرف سے تمہیں ہر قسم کے تصرّف کی اجازت ہے یا اپنے دوستوں کے گھروں سے کھانا کھا لینے میں مضائقہ نہیں، تم پر اس بات میں کوئی گناہ نہیں کہ تم سب کے سب مل کر کھاؤ یا الگ الگ۔ علامہ سعیدیؒ لکھتے ہیں: ''اس آیت میں تصریح ہے کہ اپنے دوست کے گھر سے کھانے پر تم پر کوئی گناہ نہیں ہے خواہ تم سب مل کر کھاؤ یا الگ الگ۔''[41]

علامہ سعیدیؒ نے اس آیت سے استدلال کیا ہے کہ دوست کے گھر سے کھایا جاسکتا ہے تو جب دوست کے گھر سے کھانا پینا جائز ہے تو اس سے ثابت ہوا کہ دوست کے گھر میں اگر بکری موجود ہو تو اس کا دودھ نکال کر پینا بھی جائز ہے۔ علامہ سعیدیؒ مزید لکھتے ہیں: ''کیونکہ آیت کا مفاد یہ ہے کہ دوست کے گھر سے اس کی اجازت کے بغیر کھایا جا سکتا ہے جو حدیث میں منع کیا گیا ہے وہ اجنبی شخص کے لئے کسی کی بکری سے دودھ دھو کر پینے کی ممانعت ہے۔''[42]
علامہ سعیدیؒ کے اس استدلال پر ہماری رائے یہ ہے کہ جن احادیث میں مالک کی اجازت کے بغیر اس کے جانوروں کے دودھ دوہ کر پینے سے منع فرمایا ہے، وہ سند کے لحاظ سے زیادہ قوی احادیث ہیں، وہ ''صحیح بخاری'' اور ''صحیح مسلم'' کی احادیث ہیں اور جن احادیث میں مالک کی اجازت کے بغیر اس کے جانوروں کا دودھ پینے اور اس کے باغ کے پھل کھانے کی اجازت دی گئی ہے وہ ''سنن ابوداؤد''، ''سنن ترمذی''، ''سنن ابنِ ماجہ'' اور ''مسند احمد'' کی احادیث ہیں۔ اور صحیحین کی احادیث سنن کی احادیث سے زیادہ قوی ہیں دوسری بات یہ کہ جن احادیث میں مالک کی اجازت کے بغیر کھانے پینے کی اجازت دی گئی ہے وہ مبیح احادیث ہیں اور جن احادیث میں ممانعت ہے وہ محرِّم ہیں تو

40: النور24: 61

41: سعیدی، ''نعمۃ الباری''، ج:5، ص:172

42: ایضا

جب مبیح اور محرِّم میں تعارض ہو تو محرِّم کو مبیح پر ترجیح دی جاتی ہے۔ جن احادیث میں کھانے پینے کی اجازت دی گئی ہے وہ اس صورت پر محمول ہیں۔ جب کھانے پینے والا بھوک اور پیاس سے جان بلب ہو۔ اس حالت میں اس کے لئے بغیر اجازت کے اتنی مقدار میں کھانا پینا جائز ہے۔ جس سے اس کی بھوک اور پیاس مٹ جائے اور اس کی جان بچ جائے اس رائے میں علامہ سعیدی منفرد ہیں۔ حلت و حرمت کی یہ مثال بھی دی جاسکتی ہے۔ سلف صالحین کے نزدیک جب دلائل متعارض ہوں اور حلال حرام کی کوئی واضح دلیل نہ ہو تو توقف کیا جائے گا تاکہ غلط بات کی تصدیق اور صحیح بات کی تکذیب نہ ہو جائے۔ اس کی مثال یہ ہے کہ جب حضرت عثمان سے سوال کیا گیا کہ دو باندیاں سگی بہنیں ہوں ان کو مباشرت میں جمع کرنا جائز ہے یا ناجائز تو انہوں نے کہا کہ ایک آیت نے اس کو حلال جبکہ دوسری نے حرام کیا ہے۔ اسی طرح حضرت ابنِ عمر سے سوال کیا گیا کہ ایک آدمی نے نذر مانی ہے کہ وہ ہر پیر کو روزہ رکھے گا اتفاق سے پیر کو عید ہو گئی اب وہ کیا کرے گا۔ علامہ سعیدیؒ لکھتے ہیں "میں کہتا ہوں جب حلت و حرمت کی دو دلیلیں متعارض ہوں تو حرمت کی دلیل کو ترجیح دی جاتی ہے، اس لیے باندیوں کے مسئلے میں دو سگی بہنوں کو مباشرت میں جمع نہیں کرے گا اور دوسرے مسئلے میں وہ پیر کے دن کا روزہ نہیں رکھے گا اور نذر پوری نہ کرنے کا کفارہ دے گا۔"[43] ان مسائل کے حل میں علامہ سعیدی کی رائے ان کی انفرادیت ہے، سلیم اللہ خاں ابن ملقنؒ، ابن حجرؒ، علامہ عینیؒ، علامہ کورانی، علامہ زرھونی اور دیگر شارحین نے اس مشکل کا کوئی حل نہیں بتایا۔

(iii)۔ لعان کی اقسام

لعان، لعن سے مصدر ہے اور لعن کا معنٰی ہے دور کرنا، دھتکارنا، اور اصطلاحی طور پر لعن کا معنٰی اللہ کی رحمت سے دوری ہے۔[44] جب کوئی شخص اپنی بیوی کو کسی اجنبی مرد کے ساتھ بدکاری میں مبتلا دیکھے اور اس کے پاس چار گواہ نہ ہوں تو وہ اپنا مقدمہ قاضی کے پاس پیش کرے قاضی اسے کہے کہ تم چار مرتبہ قسم کھاؤ کہ تم سچے ہو اور پانچویں مرتبہ کہو اگر میں جھوٹا ہوں تو مجھ پر لعنت ہو۔ اس کی اقسام کے حوالے سے علامہ سعیدیؒ لکھتے ہیں:

"اس کی دو قسمیں ہیں، کلیتہً اللہ تعالیٰ کی رحمت سے دور کرنا، اور یہ دائمی عذاب ہے، لعنت کی یہ قسم کفار کے ساتھ مخصوص ہے اور اس معنی میں شخصی طور پر صرف اسی پر لعنت کی جاسکتی ہے جس کی کفر پر موت ہو، جیسے

43: سعیدی، "نعمۃ الباری"، ج:7، ص:868

44: ایضا، ج:2، ص: 175

ابو جہل اور ابو لہب وغیرہ اور صفات پر بالعموم لعنت کرنا جائز ہے، جیسے جھوٹوں پر اللہ کی لعنت ہو اور ظالموں پر اللہ کی لعنت ہو، لعنت کی دوسری قسم ہے: اللہ تعالیٰ کی رضا اور قربِ خاص سے دور کرنا، یہ لعنت فاسق مسلمان پر کرنا جائز ہے۔"[45]

ہمارے ہاں اکثر کافروں پر ہی لعنت کی جاتی ہے اور انہی کو لعنت کا مستحق سمجھا جاتا ہے۔ حالانکہ بعض مسلمان بھی لعنت کے مستحق ہوتے ہیں۔ لیکن اس لعنت سے مراد ہمیشہ کے لیے اللہ تعالیٰ کی رحمت سے دوری نہیں ہے۔ علامہ سعیدیؒ مزید لکھتے ہیں:

"ہم نے جو لعنت کی یہ دو قسمیں بیان کی ہیں یہ ہماری شرح کے خصائص میں سے ہیں اور کسی شرح میں یہ مذکور نہیں ہیں نیز جن علماء اکابر سے یہ منقول ہے کہ وہ یزید پر لعنت کرتے ہیں ہمارے نزدیک وہ لعنت نہیں ہے جس کا معنیٰ اللہ کی رحمت سے کلیۃً دور کرنا اور دائمی عذاب ہے بلکہ وہ لعنت ہے جس کا معنیٰ اللہ کی رضا اور اس کے قربِ خاص سے دور کرنا ہے۔"[46]

اس سلسلے میں اگر دیکھا جائے تو اکثر اکابرین نے یزید کو یا تو کافر لکھا ہے یا پھر ہمیشہ کے لیے لعنتی اور اللہ کی رحمت سے کلیۃً دور رکھا ہے۔ لیکن علامہ سعیدیؒ کے نزدیک وہ دائمی لعنتی نہیں ہے بلکہ اللہ تعالیٰ کی رضا اور قربِ خاص سے دور کرنا مراد ہے اور اس کا ثبوت قرآنِ مجید میں موجود ہے۔ اگر کوئی پاک دامن بیوی پر بدکاری کا الزام لگائے تو اپنی ذات کے سوا چار گواہ نہ ہو تو وہ قاضی کے پاس اپنا مقدمہ پیش کرے اور قاضی اسے کہے کہ تم چار مرتبہ قسم کھاؤ کہ تم اپنی تہمت میں سچے ہو اور پانچویں بار کہو: مجھ پر لعنت ہو اگر میں جھوٹوں میں سے ہوں قرآنِ مجید میں وَالْخَامِسَةُ أَنَّ لَعْنَتَ اللَّهِ عَلَيْهِ إِنْ كَانَ مِنَ الْكَاذِبِينَ-[47] ترجمہ: اور پانچویں مرتبہ یہ کہے کہ اس پر اللہ کی لعنت ہو اگر وہ جھوٹا ہو اور قاضی عورت سے کہے کہ اگر تو تم اعتراف کر لو تم پر حدِ زنا جاری ہو گی ورنہ تم چار بار یہ قسم کھاؤ کہ اس کا خاوند اس پر جھوٹی تہمت لگا رہا ہے اور پانچویں بار یہ کہے کہ اگر اس کا خاوند سچا ہے تو اس پر اللہ کا غضب (لعنت) نازل ہو۔

45: سعیدی، "نعمۃ الباری"، ج:2، ص:175

46 :ایضا، ج:2، ص:176

47: النور24: 7

قرآنِ مجید میں ہے کہ وَالْخَامِسَةَأَنَّ غَضَبَ اللَّهِ عَلَيْهَاإِنْ كَانَ مِنَ الصَّادِقِينِ[48] ترجمہ: اور پانچویں مرتبہ یہ کہے کہ اس پر یعنی مجھ پر اللہ کا غضب ہوا گر یہ مرد اس الزام لگانے میں سچا ہو۔

اس آیت میں غضب بھی لعنت کے معنٰی میں ہے اور چونکہ اس صورت میں خاوند اور بیوی دونوں ایک دوسرے پر لعنت کرتے ہیں اس لئے اس کو لعان کہا جاتا ہے اور چونکہ وہ دونوں مسلمان ہوتے ہیں اس لئے یہاں لعنت کا معنٰی اللہ تعالیٰ کی رحمت سے بالکلیہ دور کرنا نہیں ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ کی رحمت سے بالکلیہ دور ہونے کا معنٰی آخرت میں دائمی عذاب ہے اور وہ صرف کفار کے ساتھ مخصوص ہے، مسلمانوں کو دائمی عذاب نہیں ہوگا۔ جو مسلمان فاسق ہو اگر ان کو عذاب ہوا تو وہ عارضی ہوگا پھر اس کی مغفرت ہو جائے گی اور وہ جنت میں چلا جائے گا۔ تو اس صورت میں جو اپنی بیوی پر تہمت لگانے والا کہتا ہے کہ اگر وہ جھوٹوں میں سے ہو تو اس پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہو۔ اس کا معنٰی یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی رضا اور اس کے قربِ خاص سے دور ہو جائے۔ کیونکہ مسلمان جتنا بھی گناہ گار ہو دائرہ اسلام سے خارج نہیں ہوتا۔ اگرچہ وہ چوری کرتا ہو، زنا کرتا ہو، شراب پیتا ہو یہ سارے کام گناہِ کبیرہ میں شامل ہیں، لیکن ان کے کرنے سے مسلمان اسلام سے خارج نہیں ہوتا اگر ان گناہوں کو جائز سمجھ کر کرے تو پھر اسلام سے خارج ہوگا، کیونکہ اس سے قرآن اور حدیث کا انکار کرنا لازم آئے گا۔ اس لئے لعنت صرف کفار پر نہیں بلکہ مسلمانوں پر بھی ہو سکتی ہے لیکن اس کی صورت کفار والی لعنت سے مختلف ہوتی ہے۔

خلاصہ بحث

علامہ غلام رسول سعیدیؒ دورِ حاضر کے جید عالمِ دین ہیں، وہ محدث، فقیہ، مدرس اور مفسّر ہونے کے ساتھ ساتھ عظیم مصنّف بھی ہیں۔ انہوں نے تحریر و تصنیف میں بہت سی خدمات سرانجام دیں۔ علامہ سعیدیؒ کی تصنیفی خدمات میں علوم الحدیث اور احادیث نبویہ کی تشریحات میں ان کی آراء اور علمی تفردات بہت اہمیت رکھتے ہیں۔ کسی موضوع پر انفرادی رائے اختیار کرنے کے لئے قرآن وحدیث، فقہ واصولِ فقہ، تاریخ وسیرت ودیگر علوم پر مکمل دسترس ضروری ہے۔ علامہ سعیدیؒ ان عظیم المرتبت شخصیات میں سے ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے علومِ اسلامیہ پر خصوصی دسترس سے نوازا تھا۔ علامہ سعیدیؒ نے بہت سارے مقامات پر شارحین حدیث سے اختلاف کیا ہے اور اپنی منفرد رائے قائم کی ہے، جیسا کہ اجازت کے بغیر کسی کے جانور کے دودھ دوھنے کے بارے میں بحث کرتے ہوئے انہوں نے

48: النور24: 9

بیان کیا ہے۔اس نوعیت کی آراء علامہ سعیدیؒ کے امتیازات میں شمار کرنے کے لائق ہیں۔اسی طرح لعان کی اقسام بیان کرنا اوراس کے بعد اس کے ضمن میں مسلمان لے لئے لعنت کا مفہوم بیان کرنا بھی علامہ سعیدی کا امتیاز ہے۔احادیث نبویہ کی شرح میں علامہ سعیدیؒ کی منفرد آراء دیگر کئی مباحث میں بھی دیکھی جاسکتی ہیں۔ سطورِ بالا اس کی چند مثالیں بیان کی گئی ہیں جو اس بات کو واضح کرتی ہیں کہ علامہ غلام رسول سعیدی اپنی اس کتاب میں مسائل کے بہت سے نئے گوشے واہ کرنے میں انفرادیت رکھتے ہیں۔